© rasailojaraid.com

اسلام کا تصور تعلیم

پروفیسر سید محمد سلیمؒ

دوسری وآخری قسط

علمائے کرام اور فقہائے عظام نے بنیادی ہدایات کو سامنے رکھ کر اسلامی معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے مربوط اور منظم قانون تشکیل دیا ہے، جو شریعت اسلامیہ کہلاتا ہے۔ یہ قانون زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ اس کے اندر انسان کی تمام خواہشات طبعی اور اخلاقی کی تکمیل کا سامان موجود ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر مسلمان ان احکام پر عمل پیرا ہو کر فرائض خلافت انجام دینے میں سرخرو ہو سکے۔ ان قوانین کو چھ بڑے بڑے عنوانات کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، جنایات، اخلاق وآداب اور احسان۔ جن کی تفصیلات دوسری کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تیسرا شعبہ حکمت قرآن کا ہے۔ حکمت قرآن پاک وہی ہے جو ایک مسلمان کے لئے حکمت حیات ہے۔ لاعلمی اور عدم اطمینان کی خلش کے ساتھ انسان عمل پر اقدام نہیں کر سکتا۔ فرائض خلافت کی ادائیگی کی غرض وغایت اور انجام وانتہا کا علم حاصل ہونا چاہئے۔ حیات ارضی کا مقصد اس پر مکمل طور پر واضح ہونا چاہئے۔ طبعی خواہشات اور تقاضائے خلافت کے درمیان راہ صواب اس کو معلوم ہونی چاہئے۔ حق وناحق کا ضابطہ اس کے پاس ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ انفرادی اور عمرانی معاملات میں صدیوں تجربہ کرنے کے بعد بھی عقل انسانی پر راہ صواب منکشف نہیں ہوتی۔ وضوح حق کے بعد بھی بعض دفعہ تحریض اور مہمیز کی ضرورت پڑتی ہے۔ وحی الٰہی نے تمام ضروری معلومات اور ہدایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے تمام انسانوں کو فراہم کر دی ہیں۔ صواب وناصواب کا ضابطہ بھی اس کے ہاتھوں میں تھما دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ وحی الٰہی نے وہ دائرہ کار متعین کر دیا ہے۔ جس کے اندر رہ کر عقل وخرد معاشرے کے لئے خیر وفلاح کا موجب بن جاتی ہے۔ ان حدود سے تجاوز کرنے کا نتیجہ ہمیشہ خسران ونامرادی کی صورت میں نکلا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل مغرب کے فسادِ فکر و نظر کی ایک بڑی وجہ یہ رہی ہے کہ انہوں نے عقل انسانی کو رہنمائے کامل تسلیم کر لیا۔ اس طرح اس کو شتر بے مہار بنا دیا۔ عقل نے ماورائے طبیعیات بھی گھوڑے دوڑائے چند مزعومہ تصورات کو محض ادعائی طور پر بلاوجہ معقول، مرکزی اہمیت دے ڈالی۔ پھر انسانی زندگی کے سارے اعمال وافکار کو اس محور کے گرد گھما دیا۔ اس سے مغربی زندگی میں زیغ، کجی اور یک رخا پن پیدا ہو گیا۔ اس بنیادی غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کی زندگی کا ہر گوشہ فساد زدہ بن گیا ہے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزا وار نہیں
رہنما ہو ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات

چونکہ اسلامی حکمت حیات دیگر فلسفہ ہائے حیات سے مختلف اور ممتاز ہے، نیز برطانوی دورِ غلامی میں مغربی نظام تعلیم کی زد سب سے زیادہ اسلامی حکمت حیات پر ہی پڑتی رہی ہے۔ س لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکمت حیات کے اہم ترین نکات کو ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔

۱- ہدایت الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام قوتیں، صلاحیتیں اور استعدادیں بخش دی ہیں جو بار خلافت اٹھانے کے لئے ضروری ہیں۔ اپنی ہزار ہا اقسام کی نعمتوں سے اس کو نوازا ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان بالقوۃ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اب اگر وہ شعوری طور پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اپنی عبدیت کا اقرار کر لیتا ہے، اور ہدایت الٰہی کے آخری منشور قرآن مجید کو دستور حیات کے طور پر تسلیم کر لیتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا ہے تو پھر وہ بالفعل بھی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن جاتا ہے۔ اب اس کی زندگی منشائے خلافت کی بجا آوری میں گزرتی ہے۔

۲- ہدایت الٰہی کے مطابق اصل اہمیت فرد کی ہے۔ جدید دور کے نظریات اشتراکیت، اشتمالیت اور فسطائیت میں فرد بے چارہ دب کر رہ گیا ہے۔ وہاں معاشرہ بلکہ ریاست سب کچھ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فرد کا وجود حقیقی ہے۔ معاشرے اور ریاست کا وجود تصوری اور معنوی ہے۔ فرد نے اپنی تکمیل ذات اور تعمیر شخصیت کے لئے معاشرہ کو وجود بخشا ہے۔ معاشرے کی ناگزیر ضرورت کے طور پر ریاست کا ادارہ وجود میں آیا ہے۔ بلاشبہ انسانی زندگی میں معاشرے اور ریاست کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ لیکن بہر کیف اصل اہمیت فرد کی ہے۔ خلافت کی ذمے داریوں کا اول خطاب افراد سے ہے۔ معاشرے اور ریاست سے بڑھ کر فرد خود کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے۔ وہ آخرت کے محاسبے سے ڈرتا ہے۔ اس لئے ایک ایک فرد، مرد ہو یا عورت، فرائض خلافت یا بالفاظِ دیگر احکام شریعت کی بجا آوری کا مکلف ہے۔ دوسرے درجے پر خطاب معاشرے سے ہے۔ نظام خلافت قائم کرنے کی ذمے داری معاشرے پر ہے۔ عدل اجتماعی، امن وسکون اور صلاح وفلاح کا ماحول پیدا کرنا ریاست کی ذمے داری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳- ہدایت الٰہی کے مطابق فی الحقیقت انسان ایک روحانی مخلوق ہے۔ روح کو یہ جسم کار برآری کے لئے عطا ہوا ہے۔ اس کو حواس اور مشاہدے کی قوتوں سے نوازا ہے۔ نیکی اور بدی کا شعور بخشا ہے۔ شرم و حیا کی تمیز عطا کی ہے۔ تفکر و ادراک سے مسلح کیا ہے۔ انتخاب اور ارادے کی آزادی بخشی ہے۔ تصرف و استعمال کے اختیارات عطا کیئے ہیں۔ صحت و توانائی کی نعمت عطا کی ہے۔ مال و دولت بخشی ہے۔ گھر میں سکون و راحت کا سامان مہیا کیا ہے۔ انسان کو احسن تقویم سے نوازا ہے۔ اور اشرف المخلوقات کا اعزاز بخشا ہے۔

یہ سارے انعامات اور اکرامات اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیہ ہیں، اور امانت ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ تمام ضروری اسباب و وسائل مہیا ہوں۔ ذہنی اور عملی سکون و راحت بھی میسر ہو، تاکہ انسان یکسوئی سے فرائض خلافت انجام دے سکے۔ حسن عمل، حسن اخلاق اور حسن کردار کا مظاہرہ کرے۔ بغاوت اور سرکشی کی راہ اختیار نہ کرے۔ فتنہ و فساد برپا نہ کرے۔ اپنی صلاحیتوں اور فاضل اوقات کو ضائع نہ کردے اور زندگی کی آزمائش میں ناکام نہ رہ جائے۔

۴- انفرادی اور اجتماعی ساری زندگی احکام شریعت کی متابعت میں گزار دینا اصل کامیابی ہے۔ یہی عبادت ہے، یہی قرب الٰہی ہے۔ نیت اگر صادق ہو تو تمام اعمال و افعال پر مومن کو ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ خواہشات نفسانی کی تکمیل پر بھی ثواب ملتا ہے۔

مال و دولت کی خوبی جمع کرنے میں نہیں بلکہ اس کے بہترین مصرف تلاش کرنے میں ہے۔ فضیلت اور برتری کا معیار رنگ و نسل اور وطن کے خارجی عوامل میں نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور حسن عمل کے داخلی عوامل میں پنہاں ہے۔ سب سے بڑا آدمی وہ نہیں ہے جو دولت مند ہے بلکہ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔ ارضی، نسلی اور لسانی عوامل کی بناء پر ٹکڑے ٹکڑے بن جانا مقصود نہیں بلکہ وطن اور رنگ و نسل سے بے نیاز ہو کر تمام دنیا کے مسلمانوں کیلئے ایک رب کے بندے بننا اور ایک امت مسلمہ کے افراد بن کر رہنے میں سب سے بڑی عظمت اور سب سے بڑی بزرگی ہے۔

۵- زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے اس خلیفہ کے لئے میدان عمل تجویز کیا ہے۔ زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتوں اور زینتوں سے آراستہ کیا ہے۔ یہ نعمتیں انسانی جدوجہد کے لئے مہمیز ہیں۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ انسان کے لئے مسخر کردیا ہے۔ زمین و آسمان کی تمام قوتوں نے انسان کے سامنے سر اطاعت خم کردیا ہے۔ بالقوہ وہ انسان کی مطیع و فرماں بردار بن گئی ہیں۔ بہ تدریج انسانی عقل طبعی قوتوں کو منکشف کرتی رہتی ہے اور تصرف کرتی رہتی ہے۔ البتہ ایک سرکش قوت شیطان نے مخالفت کا برملا اعلان کردیا ہے۔ انسان کو اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔

۶- خلیفہ بنا کر اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ یہ دنیا اس کیلئے امتحان گاہ ہے۔ یہ نعمتیں امتحان کے پرچے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جات ہیں۔ مہلت عمر مدت امتحان ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کا، اپنے اوقات عمر کا اور دنیوی نعمتوں کا ہدایت الٰہی کی روشنی میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور بہتر سے بہتر مصرف پیش کرے۔ ان کو غفلت میں یا بدکرداری میں ضائع نہ کردے، ورنہ وقت گزر جائے گا اور اس کو کف افسوس ملنا پڑے گا اور اپنے کیئے کا وبال بھگتنا پڑے گا۔

۷- دنیا میں انسان کا قیام عارضی ہے۔ انسان کا حقیقی مقام دار آخرت ہے، دنیا فانی ہے، آخرت باقی ہے۔ مہلت عمر ختم ہونے کے ساتھ ہی انسان کا امتحان بھی ختم ہو جائے گا۔ تمام انسان پھر اللہ کے حضور پیش ہوں گے، وہاں ان کا محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔ بخششوں، عطاؤں اور نعمتوں کا مواخذہ ہوگا جو لوگ کامیاب قرار پائیں گے انہیں اعلیٰ ترین مقامات جنت سے نوازا جائے گا اور جو ناکام قرار پائیں گے انہیں بدترین مقام دوزخ پھینک دیا جائے گا۔

یہ وہ حکمت حیات ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت سے انسانوں کو معلوم ہو سکتی ہے۔ دوسرا کوئی ذریعہ امور کے دریافت کرنے کا انسان کے پاس موجود نہیں ہے۔ ان امور کے دریافت کرنے اور جاننے کے بعد ہی دنیا میں انسان کی زندگی کا صحیح مفہوم اور صحیح مقصد سمجھ میں آتا ہے۔ اس کے بعد ہی زندگی بسر کرنے کی سیدھی راہ نظر آتی ہے اور صحیح راہ نمائی ملتی ہے۔ ورنہ عقل کے گھوڑے دوڑانے والے فلسفیوں کی تو بڑی سے بڑی پرواز یہ ہے کہ انسان ایک اعلیٰ قسم کا حیوان ہے اور اس کی زندگی کا مقصد عیش کوشی اور لذت اندوزی ہے۔

یہ بڑی انقلاب انگیز تعلیمات ہیں، ان پر صدق دل سے ایمان لے آنے سے جس کو ایمان باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، انسان کی زندگی میں انقلاب عظیم رونما ہو جاتا ہے۔ افراد، معاشرے، اور ریاست سب میں انقلاب آجاتا ہے۔ مزاج، ذہن اور سوچنے کے انداز بدل جاتے ہیں۔ مطمح نظر اور زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔ انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ فی الحقیقت ایک نیا معاشرہ اور ایک نیا انسان معرض وجود میں آجاتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نئے انسان اور نئے معاشرہ کی چند جھلکیاں یہاں پیش کی جائیں۔

۱- ایمان باللہ کے بعد مادہ اور روح، نفس اور جسم کے درمیان دوئی ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے مابین تنازعات اور تضادات کی فضا ختم ہو جاتی ہے، جو صدیوں سے فلسفیانہ افکار کے موضوع بنے ہوئے ہیں۔ ان تنازعات نے قدیم ایام سے انسانوں کو دو مخالف گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک طرف تارک الدنیا راہبوں اور جوگیوں کا گروہ ہے جو ترک دنیا میں قرب خداوندی حاصل کرنے کا مدعی ہے۔ دوسری طرف ہوا و ہوس میں غرق امرا اور دنیا پرست لوگوں کا گروہ ہے جو اپنی روش کو حقیقت پسندی کا مظاہر بتاتا ہے۔ صدیوں سے دنیا ان مخالف محاذوں میں بدبختی کے دھکے کھا رہی ہے۔

ایمان باللہ نے اس کشیدگی کو باہمی تعاون میں تبدیل کر دیا۔ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ ان کے درمیان توافق اور سازگاری کی فضا قائم ہونی چاہئے۔ اسلام کے نظام حیات کے اندر جہاں جبلتوں اور خواہشوں کی تکمیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے مناسب مقام موجود ہے۔ وہاں طہارت نفس، رفعت اخلاق اور روحانی ارتقا کے لئے بھی سازگار فضا موجود ہے۔ خلفا کے اخلاق تارک الدنیا راہبوں سے افضل ہیں، دوسری طرف وہ بہترین منتظم اور مدبر تھے۔

۲- ایمان باللہ کے بعد زندگی گزارنا نہ تو کوئی مجبوری ہے جیسا کہ حیوانات کا حال ہے۔ نہ تفریح ہے جیسا کہ لادین مادہ پرستوں کا خیال ہے، نہ کوئی کاروبار ہے، جیسا کہ زر پرستوں کا طرزِ عمل ہے۔ احکام الٰہی کی بجا آوری میں زندگی بسر کرنا کارِ خلافت ہے، کارِ عبادت ہے، ایک فریضہ ہے، ایک مشن ہے۔ اس سے راہ فرار اختیار کرنا یا اس میں کوتاہی برتنا دنیاوی اور اخروی خسران کا موجب ہے۔

۳- ایمان باللہ انسان کو ایک اعلیٰ اور ارفع مطمح نظر عطا کرتا ہے۔ مرکز اور جہت کا تعین شخصیت کی تعمیر میں بڑا طاقت ور محرک عمل ثابت ہوتا ہے۔ انسان کی تمام صلاحیتیں مقصد کے حصول کیلئے مستعدی سے سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔ اس سے افکار و اعمال کو جلا ملتی ہے۔ شخصیت کو استحکام اور فروغ حاصل ہوتا ہے۔ بے مقصد آوارہ اور منتشر زندگی بہ تدریج شخصیت کو مضمحل کر دیتی ہے۔ بلکہ ہلاکت کے قریب پہنچا دیتی ہے۔

۴- ایمان باللہ کے بعد انسان کا مقصد حقیقی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقصودِ حقیقی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

ان صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي لله رب العالمين ○(۱۸)

میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

اللہ کی رضا حاصل کرنا ایسا بلند اخلاقی اور روحانی نصب العین ہے کہ تمام بنی نوع انسان بیک وقت اس کو اپنا مقصود قرار دے سکتے ہیں۔ پھر بھی ان شیدائیوں کے درمیان نہ مقابلہ نہ مجادلہ، نہ رشک نہ حسد، یہ نصب العین خود غرضی کی بہ جائے سپردگی اور بے لوثی، جارحیت کے بہ جائے تسلیم و رضا کی خوبیوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ جب کہ اس کے برخلاف دنیا کے تمام نصب العین کسی نہ کسی نوع کی خود غرضی کو جنم دیتے ہیں، جس کا نتیجہ باہمی تصادم اور پے کار کی صورت میں نکلتا ہے۔

ہدایتی نصب العین افکار میں بلندی، نظر میں گہرائی اور عمل میں چستی پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی نگاہ ظاہر سے باطن کی طرف اور مادے سے روح کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

ایمان باللہ انسان کو دنیاوی خوف سے آزاد اور مادی طمع سے بے نیاز بنا دیتا ہے جو دنیا میں تمام فسادات کی جڑ ہے۔ ایمان باللہ انسان کے اندر غرور و فخر کے بجائے عجز و انکسار، شقاوت و سنگ دلی کے بہ جائے شفقت و رحمت کے جذبات ابھارتا ہے۔

۴- ایمان باللہ مومن کے دل میں رجائیت کا لازوال خزانہ بھر دیتا ہے۔ مومن کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتا۔ایمان باللہ کے سہارے مومن مصائب اور ناکامی کے پہاڑ بھی سہہ جاتا ہے۔کشمکش حیات میں یہ انسان کا سب سے کارگر ہتھیار ہے۔جدوجہد اور عمل کے لئے یہ بڑا طاقت ور محرک ہے۔یہ انسان کو ہر حال میں فعال اور متحرک رکھتا ہے۔انسان کسی حال میں بھی مایوس نہیں ہوتا۔یہ اعلیٰ درجے کی ذہنیت صرف اور صرف ایمان باللہ ہی پیدا کر سکتا ہے۔لادینی نظریہ ہائے حیات یہ حوصلہ پیدا کرنے سے سخت عاجز ہیں۔ ناکامی کے بعد وہاں تو خود کشیوں کا نمبر لگ جاتا ہے۔

مسلمانوں کی زندگیوں میں یہ تمام خوبیاں صرف اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ اس کی زندگی کی تمام تر جدوجہد کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی رضا ہے Theocentricism اس کے برخلاف اہل مغرب آدم دوستی اور انسان پرستاری Anthropocentriclsm کے دعوے دار ہیں۔انسان دوستی آخری تحلیل میں خود پرستی بن جاتی ہے جو قوم بھی ایمان باللہ کی نعمت سے محروم رہ جاتی ہے،اس کا افق نگاہ عالم آب وگل تک ہی محدود رہتا ہے۔جلد یا بدیر اس کی انسان دوستی پر حیوان پروری غالب آجاتی ہے۔لذت کام ودہن اس کا مقصود بن جاتا ہے۔تعیش اور ہوش رانی اس کے لئے محرک عمل بن جاتے ہیں۔خود غرضی اور تنگ دلی اس کا وطیرہ بن جاتا ہے۔نتیجتاً ہر دم آویزش اور پے کار وہاں کا معمول بن جاتا ہے۔انسانیت کا پیرہن ان کے ہاتھوں تار تار ہوتا رہتا ہے:

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک

ان وجوہات کی بناء پر علم ہدایت پر مبنی حکمت حیات کا جاننا اور ماننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔حکمت حیات پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اور خلافت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔فقہی اصطلاح کے مطابق اس کا جاننا فرض عین ہے۔کسی مسلمان کے لئے،خواہ وہ مرد ہو یا عورت،شہری ہو یا دیہاتی،خواندہ ہو یا جاہل،اس علم سے ناواقف اور بے بہرہ رہ جانا ہرگز جائز نہیں ہے۔یہ ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے۔

علم ہدایت کا چوتھا شعبہ تزکیۂ نفس اور تربیت اخلاق ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے نفس انسانی سے بری عادتیں اور برے اخلاق چھڑائے جائیں۔گندگیوں سے اس کو پاک کیا جائے۔خوش خلقی،تحمل،صبر،حسن اخلاق کا پابند بنایا جائے۔اصل ہدف کردار سازی اور تعمیر سیرت ہے۔انسانی سیرت،عادات اور ملکات کا ثمرہ ہوتی ہے۔اعادہ،تکرار اور تدریب سے عادات تشکیل پاتی ہیں۔اسلام اوقات کی پابندی کے ساتھ ادائیگی عبادات پر بھی زور دیتا ہے تاکہ احکام شریعت پر عمل کرنا سہل ہو جائے۔قول وعمل میں تضاد ونفاق باقی نہ رہے۔اصل مقصود حسن عمل اور حسن اخلاق ہیں جن کی دنیا کی زندگی میں قدر ہے اور جن کا آخرت میں اجر ہے۔

علم ہدایت کے مطابق ذہنیت بن جانے اور اس کے مطابق عبادات اور ملکات راسخ ہو جانے،یا دوسرے الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں علم ہدایت پر ایمان ہو جاتے ہیں۔ وہ خدا ترس، خیر اندیش اور بہی خواہ بن جاتے ہیں۔ ایسے نیک نفس افراد سے اسلام کا اصلاحی اور فلاحی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس معاشرے میں فلاحی ریاست قائم ہوتی ہے۔ جو خلافت الٰہی کا نظام قائم کرتی ہے۔ بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ایسے لوگ صفحہ ارض پر نیکی کے چلتے پھرتے مجسمے ہوتے ہیں۔ ایسا معاشرہ خیر خواہش کا گہوارہ ہوتا ہے۔ وہاں رنج کا دخل ہے نہ غم کا گذر۔ وہاں افراد مطمئن، معاشرہ سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ وہ قوم خیر امت ہے جہاں جہاں رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے، یہ خلافت عظمیٰ کا حصول ہے، یہ انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔

قرآن مجید کی ان واضح ہدایات کی روشنی میں صدیوں سے مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت تشکیل پاتا رہا ہے۔ ہدایت کے مذکورہ بالا چاروں شعبے ہر دور میں نصاب تعلیم کا جزو غالب رہے ہیں۔

اول جز قرآن مجید کی تلاوت کا ہے۔ قرآن مجید آخری صحیفہ رشد وہدایت ہے۔ ایک ایک مسلمان کا اس کے ساتھ عملی اور قلبی تعلق مستحکم رہنا چاہیئے۔ اس لئے سب سے اول تو ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کسی ایسے ملک اور ایسے دور کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جہاں کے مسلمانوں کے نصاب تعلیم میں قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم لازمی نہ رہی ہو۔ ہر مسلمان مرد، عورت، بچے اور بوڑھے کے لئے قرآن مجید کی تعلیم ضروری ہے۔ اسلامی نصاب تعلیم کا یہ لازمی حصہ ہے۔

دوسرا جز قرآنی تعلیمات کا ہے۔ ان تعلیمات نے آگے چل کر دو علوم کی شکل اختیار کر لی:

ا-علم عقائد اور ۲-علم فقہ۔ یہ دونوں علوم بھی صدیوں سے اسلامی نصاب تعلیم کا لازمی جز رہے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات اور دیگر احکام شریعت کا ضروری علم حاصل کرنا، جو کارِ خلافت کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے، ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اس لئے اتنا حصہ ضرور نصاب میں شامل کرنا چاہیئے۔

تیسرا جز حکمت حیات ہے۔ اسلامی تعلیم میں یہ حصہ جزو غالب رہا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم (بامعنی) اور احادیث رسول کی تعلیم نصاب کا لازمی جز رہے ہیں ان کے مطالعے سے اسلامی حکمت حیات کے مضامین خود بخود ذہنوں میں راسخ ہو جاتے تھے۔ قرآن وحدیث کے جاننے والے علماء مسلمان معاشرے میں کثیر تعداد میں موجود ہوتے تھے۔ ناخواندہ اور جاہل عوام کو علماء خطبوں اور وعظوں اور درسوں کے ذریعے حکمت حیات کے مضامین سمجھاتے رہے تھے۔ جمعے کی نماز کے وقت مساجد میں عوام کا اژدھام زیادہ ہوتا تھا۔ وہاں خطیب حضرات ان موضوعات پر تقریر کرتے رہتے تھے۔ مختلف طریقوں سے علماء ان مضامین کو عوام کے ذہن نشین کراتے رہتے تھے۔ اسلامی حکمت حیات کے خلاف کوئی رائے رکھنا بدعت تھی۔ علماء اس کی بیخ کنی کر دیتے تھے، تا کہ اسلامی اقدارِ حیات کی بالادستی بحال رہے۔ اور اسلامی معاشرہ کی یک سوئی قائم رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی گفتگو اور بول چال میں استعمال ہونے والے سادہ جملے: **سبحان اللہ، ماشاء اللہ، خدا حافظ اور الحمدللہ** وغیرہ۔ درحقیقت حکمت حیات کے مضامین کو ذہن میں بلکہ لاشعور میں اتار دیتے تھے۔ اس فضا میں سانس لے کر، اٹھتے بیٹھتے ایک مسلمان بچہ حکمت حیات کی تعلیم غیر شعوری طور پر حاصل کر لیتا تھا۔

بہرکیف علماء اور عوام، خواندہ اور ناخواندہ سب کا اسلامی حکمت حیات پر ایمان کامل ہوتا تھا۔ اگر کہیں نافرمانی یا گناہ گاری کے مناظر نظر آتے تھے تو وہ ارادے کی کمزوری، نفس کا دھوکہ، جہالت اور غفلت کے کرشمے تھے۔ اسلامی اقدار سے سرکشی یا بغاوت نہیں تھی۔ اس لئے بسا اوقات بندہ نافرمانی کی روش ترک کر کے توبہ اور استغفار کرتا تھا۔ اور راہ راست اختیار کر لیتا تھا۔ پھر سے اسلامی اقدار کی بالادستی قائم ہو جاتی تھی۔ اس دور میں وعظ ونصیحت کا سارا زور غفلت سے بیدار کرنے، نفاق دور کرنے اور دل کا زنگ مٹانے پر صرف ہوتا تھا۔ وہ اعمال صالحہ کی ترغیب دیتے تھے، اعمال اور عبادات میں خلوص اور للّٰہیت پیدا کرنے کی ضرورت بتاتے تھے۔ تیرہویں صدی ہجری تک کم وبیش مسلمان معاشرے کی یہی کیفیت رہی ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک تقریباً سارا عالم اسلام یا تو فرنگی اقوام کا محکوم بن گیا تھا۔ یا ان کے زیر اثر آ گیا تھا۔ مغربی حکومتوں نے مسلمانوں کے اندر اپنے افکار وخیالات پھیلائے اور اپنا نظام تعلیم رائج کیا۔ مغرب کا نظام تعلیم لادینی تصور حیات پر مبنی ہے۔ وہ مادی اقدار حیات کو فروغ دیتا ہے۔ مغربی تصورِ حیات، اسلامی تصورِ حیات کی عین ضد ہے اور اس کی نفی کرتا ہے۔ ڈیڑھ صدی سے پاک وہند میں حکومت کے بل بوتے پر ان منفی عوامل ومحرکات کی اشاعت کی جارہی ہے جو مغربی تصورِ حیات کے ثمر نورس ہیں۔ ان کو مقبول بنانے کے لئے ان حکومتوں نے تمام ذرائع ووسائل وقف کر دیئے۔ رزق کے دروازے اس تعلیم سے وابستہ کر دیئے۔ **الناس علیٰ دین ملوکھم** کے مصداق سب سے پہلے امرا اور نوابین کے طبقہ نے جدید افکار وکردار کو اختیار کیا۔ ان کا نفوذ بہ تدریج معاشرے میں بڑھتا چلا گیا۔ اسی نسبت سے دینی تعلیم کے مراکز بند ہوتے چلے گئے۔ بہ ظاہر انگریز نے جبراً نہ مکتب بند کئے اور نہ مدرسے۔ مگر غذا دینے والے سوتے خشک کر دیئے۔ اس طرح دینی تعلیم پر زوال آ گیا۔

دوسری جانب اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائے جانے والے مضامین، کتابیں، پڑھانے والے اساتذہ، درس گاہ کی غیر درسی مشغولیات، درس گاہ کا ماحول سب کے سب مغربی تصور حیات کو خوش آئند بنا کر پیش کرتے رہے۔ اسی نسبت سے اسلامی تصور حیات کمزور اور مضمحل ہوتا رہا۔ ایک گھن لگ گیا جو اندر ہی اندر ایمان اور اخلاق کو کھوکھلا کرتا رہا۔ جب اندازہ لگا لیا کہ اب مسلمان میں دینی حمیت وغیرت مردہ ہو چکی ہے اور اب کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا تو انگریز نے سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں دینیات کے نام سے اسلامی تعلیمات کو بھی گوارا کر لیا۔ مگر کھوکھلے ایمان کے ساتھ دینیات کی تعلیم بے جان اور بے اثر رہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید درس گاہوں میں لادین فلسفہ، لادین سیاست، لادین معاشیات اور لادین ادب پڑھ کر طلبہ غیر شعوری طور پر مغربی فلسفہ حیات اور مادی اقدار حیات پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور اسلامی اقدار حیات کے منکر بن جاتے ہیں۔ بسا اوقات ان کو اس ذہنی تبدیلی کا شعور بھی نہیں ہوتا، نہ وہ زبان سے اس کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ بہر کیف جدید تعلیم یافتہ مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کی غالب اکثریت کا یہی حال ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ جس قدر مغربی نظام تعلیم ملک میں فروغ پا رہا ہے۔ اسی نسبت سے اسلامی اقدارِ حیات کو زوال آرہا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں میں اعتقادی اور ایمانی انحطاط پیدا ہورہا ہے۔ جس کے نتیجے میں سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی انحطاط بھی پیدا ہوگیا ہے۔ اور مسلمان قوم ایک پس ماندہ قوم بن گئی۔

ان حقائق کی روشنی میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان افراد اور مسلمان معاشرے میں اسلامی حکمت حیات پر ایمان از سر نو زندہ کیا جائے۔ تاکہ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے جو سوتے خشک ہوگئے ہیں، وہ پھر جاری ہوجائیں، پھر نیکی اور خیر کا مسلمان معاشرے میں غلبہ ہوجائے۔ پھر برائی اور بے حیائی مردود اور مبغوض بن جائے۔

اس لئے ضروری ہے کہ اسلامی حکمت حیات کو ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔ نظام تعلیم میں اس کی حیثیت سب سے اعلیٰ اور سب سے اشرف ہو۔ بی اے تک طالب علم کو ذہنی سطح کے مطابق اس کی تعلیم دی جائے۔ اعلیٰ درجوں میں تقابلی انداز اختیار کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ اس پر عمل پیرا ہونے میں پھر کوئی عقلی استبعاد باقی نہ رہے۔ دوبارہ زندہ ایمان دلوں میں پیدا ہوجائے۔ تو پھر عقائد، عبادات اور فقہی احکام کی تعلیمات با معنی بن جائیں گی، اور اثر انگیز ثابت ہوں گی۔ پھر اپنے گلشن میں اسلامی اخلاق اور اسلامی اعمال کی فصل بہار آجائے گی۔

اسلامی تعلیم میں اصل اہمیت علوم ہدایت کو حاصل ہے۔ اس لئے تعلیم کا آغاز علوم ہدایت سکھانے سے ہوتا ہے۔ بچے کی ہدایتی تعلیم اس کی پیدائش سے ہی شروع ہوجاتی ہے، جب اس کے کانوں میں اذان کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی عظمت اور مسلمان کی طرف سے شہادت حق کا اعلان ہوتا ہے۔ جب ذرا قدرے زبان چلنے لگتی ہے تو کلمۂ طیبہ، اسلام کا خلاصہ بچے کو یاد کرایا جاتا ہے۔ پھر دیگر کلمے اور دعائیں یاد کرائی جاتی ہیں۔ عموماً ساڑھے چار سال کی عمر مین بچے کو مکتب میں داخل کرایا دیا جاتا ہے۔ جہاں پر وہ قاعدہ بغدادی اور قرآن مجید ناظرہ پڑھتا ہے۔ اس کے بعد با معنی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ تب بھی ''کریما'' اور ''نام حق'' جیسی کتابوں سے ابتدا کرائی جاتی ہے۔ جن کے ذریعے دین اور اخلاق کی باتیں بچہ سیکھتا ہے۔ اس طرح ہدایتی تعلیم اول روز سے شروع ہوکر آخر تک باری رہتی ہے۔ اس طرح ہدایتی تعلیم کا نقش مستحکم اول روز سے شروع ہوکر آخر تک جاری رہتی ہے۔ اس کے بہت بعد وضعی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔

مغربی تعلیم میں ہدایتی حصہ ندارد۔ وہاں بچے کی تعلیم کا آغاز کتے اور بلی کے ناموں سے کیا جاتا ہے۔ بعض دانش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی طریقۂ تعلیم پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بچہ چونکہ معقولات اور معنویت کے سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مادی محسوس اشیا کی تعلیم دینا چاہئے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بچہ دو اڑھائی سال کی عمر میں اچھی طرح باتیں کرنے لگتا ہے۔ زبان کا خاصا بڑا حصہ غیر محسوسات اور تصورات پر مشتمل ہوتا ہے۔ بچہ ان کو سمجھتا ہے تب ہی تو بولتا ہے۔ نفسیات اطفال کے مغربی ماہرین یہ بتاتے ہیں کہ بچہ پیدائش کے بعد سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ تین چار سال کی عمر تک وہ اتنا کچھ سیکھ لیتا ہے اور اس کو اپنے لاشعور میں محفوظ کر لیتا ہے کہ آئندہ سالوں کا شعوری طرزِ عمل اس سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر اس قسم کے اعتراضات میں کچھ زیادہ وزن معلوم نہیں ہوتا۔

چوتھا جز تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق ہے۔ علم کا ثمرہ عمل ہے۔ یہی فی الحقیقت مطلوب ہے۔ لیکن علم کو علم بننے کی راہ میں داخلی اور خارجی بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ تربیت میں یہ امر پیش نظر ہوتا ہے کہ تمام مشکلات کو دور کر دیا جائے۔ ترغیب وتحریض دی جائے۔ ارادے کو مضبوط کیا جائے۔ اس کام میں نگرانی اور ہمت افزائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بچے کو سات سال کی عمر سے نماز پڑھنے کی تاکید کرو اور دس سال کی عمر میں فہمائش کرو۔ تربیت میں عملی نمونے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انسان بالطبع تقلید پسند واقع ہوا ہے۔ نیک اور صالح استاد کی زندگی کا نمونہ طلباء کو حسن عمل پر ابھارنے کے لئے بڑا قوی محرک ہے۔ طلبہ استادوں، بزرگوں اور والدین کے نقش قدم پر چلنے میں سہولت محسوس کرتے ہیں عمل سے عمل آتا ہے۔

تربیت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ استاد طلبہ کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دے۔ اسلام کے ساتھ اس کا تعلق اخلاص کا ہو۔ اس کے فروغ کے لئے ان کے دل میں تڑپ پیدا ہو۔ اس کی اشاعت اور ترویج کے لئے وہ ہمہ وقت کوشاں رہیں اور انہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بھی مشق کرانا چاہئے۔ ان میں یہ جذبہ بیدار ہو کہ وہ برائی کو برداشت نہ کریں اور معقول انداز میں احتساب پر آمادہ ہیں۔ تربیت اخلاق نتائج کے اعتبار سے علم ہدایت کا اہم ترین شعبہ ہے۔

تربیت کتابی سے زیادہ عملی تعلیم ہے۔ استاد خواہ کسی درجے کی درس گاہ میں معلم ہو، اس کا فرض ہے کہ طلباء کی اخلاقی تربیت کی طرف پوری توجہ دے۔ یہ بھی اس کا فرض ہے کہ وہ درس گاہ کا ماحول ایسا بنائے جو تربیت اخلاق کے لئے سازگار ہو۔ اس کی ہمت افزائی کرنے والا ہو، اور اس کا مخالف نہ ہو۔

اسلامی نظام تعلیم کا دوسرا شعبہ وضعی علوم کا ہے۔ فرشتوں کے مقابلے پر اپنے خلیفہ کی برتری اللہ تعالیٰ نے علم اسما (وضعی علوم) کی بناء پر واضح کی تھی۔ نظام خلافت قائم کرنے کے لئے ان علوم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ فرائض خلافت انسانی معاشرے میں انجام دینے ہیں۔ بھلے انسانوں پر مشتمل ایک فلاحی معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر طور واسطہ اور سابقہ انسانوں سے پڑتا ہے۔اس لئے عمرانی یا معاشرتی یا انسانی علوم کی تحصیل ایک ناگزیر ضرورت ہے تاکہ صحیح معلومات کی روشنی میں صحیح طرز عمل اختیار کیا جاسکے۔

اسی طرح نظام خلافت اسی دنیا میں قائم کرنا ہے۔زمین پر ایک خوش حال، صالح، ترقی پذیر معاشرے کو پروان چڑھانا ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ زمین کے خزانوں سے پوری طرح استفادہ کیا جائے۔یہ خزانے اولاد آدم کے لئے عام کردیئے جائیں۔افراد واقوام کی لوٹ کھسوٹ کا ظالمانہ نظام معیشت ومعاشرت ختم کردیا جائے۔نہ کوئی طبقہ ناجائز مراعات یافتہ ہو، نہ کوئی طبقہ محروم رہ جائے۔اس کے لئے مسلمانوں کو مادی، زمینی علوم پر کامل دست گاہ حاصل ہونا ضروری ہے، تاکہ عادلانہ نظام کے نفاذ میں ان کو استعمال کیا جاسکے۔اس لئے انسانی اور معاشرتی علوم ہوں یا زمینی اور سائنسی علوم ہوں بلکہ فنی علوم بھی، سب اسلامی نصاب تعلیم کا جز رہے ہیں۔علماء فقہی اصطلاح میں ان کو فرض کفایہ قرار دیتے ہیں۔یعنی ان علوم کے حاملین سے اگر معاشرہ خالی رہ گیا تو وہ گناہ گار ہوگا۔

ولا تنس نصیبک من الدنیا(۱۹)

دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کرو۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فرائض کے بعد سب سے بڑا فریضہ رزق حلال کمانا ہے۔

ان احکامات کی روشنی میں ہر مسلمان پر دنیوی علوم کی تحصیل بھی ضروری ہے تاکہ وہ اللہ کے خزانوں سے اپنا حصہ لے لے اور ایک خوش حال زندگی بسر کرے، ورنہ فقر وفاقہ کی زندگی ادائیگی فرائض خلافت میں مانع آتی ہے۔یہ رذائل اخلاق کو پروان چڑھانے کا موقع فراہم کرتی ہے۔وضعی علوم کا اس قدر حصہ ضرور ہر شخص کو پڑھایا جائے کہ وہ حلال طریقے سے اپنی روزی کما سکے اور عزت نفس کو برقرار رکھے۔

اسلامی نصاب تعلیم کا وضعی حصہ ترقی پذیر رہا ہے۔آغازِ اسلام میں اس حصے میں وہ وضعی علوم شامل کئے گئے تھے۔جو اس وقت عرب کی دنیا میں پائے جاتے تھے مثلاً اشعار عرب، انساب عرب، طب عرب۔نجوم، بارش کے، موسم کے علوم وغیرہ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان علوم کی تعلیم قرآن وحدیث کے بعد مسجد میں دیتے تھے۔اسلامی فتوحات کے بعد دنیائے اسلام کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ماضی کی اہل علم اقوام سے مسلمانوں کا سابقہ پڑا۔مسلمانوں نے یونانی، ایرانی اور ہندی علوم حاصل کئے اور ان کی تعلیم نصاب میں شامل کرلی۔یہ علوم اہل مغرب سے لے کر نصاب میں شامل کرنے چاہئیں۔علم پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں ہے۔اسلام کو کسی قوم سے کد نہیں ہے۔جہاں سے بھی علم حاصل ہو وہاں سے حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔مگر ان علوم کو جوں کا توں اپنے نصاب میں شامل کرلینا ایک ناقابل تلافی نقصان کا موجب بن رہا ہے۔عمرانی علوم ہوں یا سائنسی علوم جن کو اہل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغرب نے مرتب اور مدون کیا ہے، ان کا اگر دقتِ نظر سے مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو وہ دو اجزا پر مشتمل ملیں گے۔

پہلا حصہ حقائق ثابتہ کا یا مزعومہ کا ہے اور دوسرا حصہ نظریات اور آرا کا ہے۔ دونوں کی واقعاتی قدر و قیمت یکساں نہیں ہے۔ مرتبین نے اپنا لادینی نقطہ نظر اخذ نتائج، ترتیب مضامین، طرز نگارش اور اسلوب بیان میں سمو دیا ہے۔ حالانکہ ان حقائق کو جدا کر کے دوسرے نتائج بھی اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ حقائق غیر جانب دار ہوتے ہیں۔ مرتب کا نقطہ نظر نتائج میں اور ترتیب میں عکس ریز ہوتا ہے۔ اینٹ، سیمنٹ تعمیری اجزا ہیں۔ ان سے مندر بھی تعمیر ہوسکتا ہے اور مسجد بھی۔

یورپ گزشتہ چند صدیوں سے انکار خدا اور مذہب سے بے زاری کی راہ پر چل رہا ہے۔ اس نے لادینی نظریہ حیات کو قبول کرلیا ہے وہ صرف مادی اقدار حیات کا خریدار بن گیا ہے۔ جتنے علوم وفنون اس نے مرتب کئے ہیں، خواہ وہ سائنسی ہوں، عمرانی ہوں، فلسفیانہ ہوں یا ادبیانہ ہوں، سب کے اندر یہی لادینی نقطۂ نظر پیوست ملے گا۔ یہ نقطہ نظر اس ترتیب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے۔ کوئی بھی کتاب ہو لادینی نقطہ نظر صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔

ان علوم کو مغربی مصنفین کی کتب کے ذریعے مسلمان طلبا کو پڑھانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر طالب علم کا ذہن افکار کی رزم گاہ بن جاتا ہے۔ علم ہدایت مسلمان طلبہ کو خدا ترسی اور اطاعت الٰہی کی ترغیب دیتا ہے اور یہ مغربی وضعی علوم کی کتابیں ان کو انکار خدا، مذہب کے استہزا اور اخلاقی اباحیت کی دعوت دیتی ہیں۔ یہ متضاد اثرات طالب علم کے ذہن کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ موجودہ نصاب، تعلیم کا تقریباً مکمل حصہ مغربی علوم اور مغربی ترتیب کا ہے۔ اس لئے مغربی کتابیں پڑھتے پڑھتے غیر شعوری طور پر لادینی نقطۂ نظر دل و دماغ میں مورچہ جمالیتا ہے۔ جہاں سے اسلام تصورات و افکار پر مسلسل گولہ باری ہوتی رہتی ہے۔ یک سوئی غارت، طلبہ کا ذہن انتشار اور تضادات کی نذر ہوجاتا ہے۔ اندر ہی اندر ایمان و یقین کھوکھلے ہوجاتے ہیں۔ طلبہ زبان سے برملا تو اسلام کا انکار نہیں کرتے، لیکن نہ اسلامی کی ان کے دل میں کوئی وقعت باقی رہتی ہے، نہ عمل کی جانب ان کی رغبت ہی باقی رہتی ہے۔ مغربی تعلیم کی اشاعت کے بعد سے مسلمان طالب علموں کا یہ طرز عمل عام رہا ہے۔ ایسے بے یقین اور ایمان غائب طلبہ کی کھیپ کی کھیپ سالانہ درس گاہوں سے نکل رہی ہے۔ مسلمان معاشرے کی بے عملی اور بے یقینی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ مسلمان معاشرے کی بنیادیں روزانہ کمزور اور کھوکھلی ہوتی جارہی ہیں۔ اسی کھوکھلے ایمان کا سبب ہے کہ جو ملحد، دہریوں اور دشمنانِ اسلام مصنفین کی کتابیں ہم اپنے نونہالوں کے ہاتھوں میں دیتے ہیں۔ اور ہماری غیرتِ ایمانی میں کوئی جنبش نہیں آتی۔ بڑے شوق سے ہم اپنے نوخیز بچوں کو مسیحی مشنری اداروں میں داخلہ دلاتے ہیں۔ گویا زبان حال سے کہتے ہیں کہ لو اسے دین سے بے گانہ بناؤ، کیا آزاد خیالی کا علم بردار امریکہ روس کو اپنے ملک میں درس گاہیں کھولنے کی اجازت دیتا ہے کہ وہ آئے اور اپنے نظریات کی تبلیغ کرے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخالفانہ نقطۂ نظر کا مطالعہ کرنا ہی ممنوع ہے۔ پہلے اپنے عقائد اور نظریات سے واقف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو کر پختہ ذہن کے لوگ اگر مخالفانہ نقطۂ نظر کا مطالعہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ہر نوخیز کے ہاتھ میں اول مرحلے پر ہی مخالفانہ نقطہ نظر تھما دینا جب کہ وہ ابھی اپنے نقطۂ نظر سے رسمی طور پر روشناس نہیں ہوا ہے تعلیمی نقطۂ نظر سے خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ ایمان کشی کی مذموم کوشش ہے۔ آخر کوئی وجہ تو ضرور ہے جو مسیحی مشنری لوگ دور دراز ممالک سے چل کر آتے ہیں، بے اندازہ اخراجات برداشت کرتے ہیں اور پھر اسلام کے نونہالوں کو "علم کے زیور" سے مزین کرتے ہیں۔

مغربی مضامین کو موجودہ ترتیب اور موجودہ کتب سے پڑھانا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ ان علوم کی ترتیب جدید اور تدوین نو کی ضرورت ہے۔ عالم انسانی کے عمرانی مسائل اور فضائے بسیط کے سائنسی حقائق کا ذکر قرآن مجید سے زیادہ کس کتاب میں ہوگا؟ موقع کی مناسبت سے جابجا قرآن مجید کی متعلقہ آیات کا حوالہ بھی دینا ضروری ہے تاکہ پڑھنے والے طلبہ کے ذہنوں میں سائنس کی دین حق سے بے گانگی دور ہو جائے۔ طرزِ بیاں اور اسلوبِ نگارش بھی روکھا پھیکا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ ایمان و یقین کو غذا دینے والا اور قلب و نظر کو گرمانے والا ہونا چاہئے۔ اس طرح نئی تراش خراش کا جدید ملبوس زیب تن کر کے عمرانی علوم اور سائنسی علوم نئی شان میں جلوہ گر ہوں گے۔ اب یہ اسلامی نصاب تعلیم کی صف میں شریک ہونے کے اہل بن جائیں گے۔ نئی ترتیب کے بعد ان میں اتنا ہی فرق ہوگا جتنا کہ قدیم یونانیوں کی دیومالائی طب اور موجودہ اسلامی طب میں ہے۔

یہ کام مشکل ضرور ہے۔ بنے بنائے راستہ پر چلنا ہر شخص کے لئے آسان ہوتا ہے۔ نئی راہ نکالنا ہر شخص کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ یہ پر عزیمت اور حوصلہ مند لوگوں کا کام ہے۔ بہرحال یہ ناممکن نہیں ہے قدیم مسلمان بھی ایسا ہی کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔ یونانیوں کی طب حقائق خرافات اور نیم پختہ آرا کا مجموعہ تھی۔ عرب طبیبوں نے حقائق کو جدا چھانٹا، صاف اور منقح کیا اور جدید طب عرب ترتیب دے دیا۔ آج بھی یہ مرحلہ درپیش ہے۔

ملک میں ماہرین اور فاضلین علوم کی کمی نہیں ہے۔ بالغ نظری کے ساتھ وہ راسخ العقیدہ مسلمان بھی ہیں۔ اسلام کے ساتھ اخلاص اور محبت بھی رکھتے ہیں۔ خود بھی باعمل ہیں۔ ایسے مجتہد نگاہ اور سخت کوش اہل علم کا ایک گروہ جمع کرنا چاہئے۔ ان کے سپرد یہ کام لیا جائے کہ وہ مغربی علوم کو از سر نو ترتیب دیں۔ حقائق کو مزعومات سے جدا کریں۔ ترتیب جدید اور لباس نو عطا کریں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مغربی علوم پر جدید کتابیں تصنیف کریں۔ ایک بار اسلامی طرز کی کتابیں عام ہو گئیں تو پھر کام آسان ہو جائے گا۔ یہ کتابیں نمونہ بن جائیں گی اور دوسروں کو اس طرز پر لکھنا آسان ہو جائے گا۔

زمانہ آج پھر ایک بار کسی غزالیؒ کی تلاش میں ہے جو مغربی علوم کے انبار کو پھٹکے، چھانٹے اور صاف کر دے۔

یہ دور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

☆☆☆

© rasailojaraid.com